موہن داس کرم چند گاندھی Mohandas Karamchand Gandhi

1869-1948ء(78 سال)

گاندھی سے ہمارا جغرافیائی، نسلی اور تمدنی تعلق ہے۔ عقلی و منطقی اعتبار سے ایک قوم کے مجموعی مزاج اور تاریخ پس منظر کو جاننے کے لئے اسکے قائد کی شخصیت کے مطالعے میں کوئی حرض نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ یہ ہماری فطری، تاریخی اور روایتی اعلیٰ ظرفی کے ساتھ حق گوئی اور حقیقت پسندی کے تقاضوں کے بھی خلاف ہوگا۔ گاندھی ہرگز غیر معمولی طالب علم نہ تھا۔ عمومی درجے کی ذہانت والا، شرمیلا، ہونہار اور بھینچے مزاج والا معمولی سا لڑکا تھا۔ جو خود اپنے آپ کو کند ذہن اور کمزور عاقلہ والا کہتا ہے۔ جس کا کتابوں کے علاوہ کوئی دوست نہ تھا۔ وہ لوگوں کے تمسخرہ اڑانے کے خوف سے بھاگتا ہوا سکول جاتا اور گھنٹا بجتے ہی بھاگ کر گھر لوٹ آتا۔ تیرہ سال کی عمر میں شادی کے بندھن میں جکڑ دیا گیا۔ بھوت پریت کا قائل، ڈرپوک اور وہمی سی شخصیت کا بزدل گاندھی کو ہر وقت چوروں، بھوتوں اور سانپوں کا کھٹکا رہتا تھا۔ رات اور اندھیرے سے اسکی روح فنا ہوتی تھی۔ وہ ایک مقدمہ کے جرح کے دوران عدالتی ماحول کی تاب نہ لا سکا۔ پسینے سے شرابور، لرزتی ٹانگوں، لڑکھڑاتی زبان سے ایک لفظ نہ بول سکا۔ لیکن اسی گاندھی کے ستارے جب گردش میں آئے تو وہ مہاتما گاندھی اور باپو بن گیا اور ہندوستانی سیاست کا مرکز و محوّر بن گیا۔ ہندوؤں کی عظمت رفتہ کا نگہبان اور محبوب قومی قائد بن گیا۔ مگر اسکی طبیعت سادگی، مزاج فقیرانہ، انداز جوگیانہ اور گفتار قلندرانہ ہو چکی تھی۔ وہ اپرہ گری (ترک املاک)، سمجھو (عدل) برہمچاری (تجرد یا نفس کشی) جیسے ہندوانہ قوانین کو اپنا تا چلا گیا۔ 1906ء میں مکمل برہمچاری کے بعد اس میں غیر مرئی روحانی صلاحتیں پیدا ہوگئیں۔ جو بعد کی قومی زندگی میں اسکی معاون رہیں۔ وہ راہبانیت، نروانیت اور درویشی کو اپناتا ہوا مادی تقاضوں سے بے پرواہ ہونے لگا۔ دنیا کے اسرار اور مخفی حقیقتوں سے شناسا، اور شعوری عروج اور فطری معراج کی کیفیت روشناس ہونے لگا۔ بالآخر، اسکی اصول پسندی، عدل وانصاف، اور نسلی وخونی برتری ختم کرنے کی سوچ آڑے آ گئی۔ صدیوں کی محکومی اور غلامی کے غصّہ اور تعصب کی کوکھ سے جنم لینی والے ایک انتہاء پسندی کا ناگزیر اظہار ہوا۔ ایک جنونی ہندو نے اسے گولی مار کر دی۔ اسکی خاک انڈیا کے مختلف دریاؤں میں بہادی۔ یا پھر راجگھاٹ Rajghat, Delhi میں اڑا Cremation, combustion, vaporization and/or oxidation of dead bodies to basic chemical compounds دی گئی۔

موہن داس کرم چند، مہاتما گاندھی Mahatma Gandhi، گاندھی جی Gandhiji یا باپو Bapu اگر ماضی قریب کی بجائے گذشتہ انسانی تاریخ کی کوئی سیاسی شخصیت ہوتی، جس کے پس منظر میں ہمارا قومی وملی استحصال نہ ہوتا۔ نہ ہی اس کا دامن ہمارے لاکھوں بے گناہ اباء واقرباء کی شہادت سے بوجھل ہوتا، ہماری عفت مآب بہنوں کی بے حرمتی کے ناقابل برداشت جرم میں کسی ادنیٰ ترین درجے تک بھی ملوث نہ ہوتا۔ تو ممکن تھا کہ پاک و ہند کے

مسلمان اسے پڑھنا اور جاننا پسند کرتے۔اس کے اقوال وافعال کو کچھ اہمیت دینے پر خود کو آمادہ پاتے۔مگر اب کیونکہ صورتحال مختلف ہے،اور یقیناً ہمارے اسلامی تشخص کو مجروح کرنے والا، ہماری بدترین دشمن قوم کا نمائندہ اور سب سے بڑھ کر ہمارے نبی ﷺ کی بتائی ہوئی فطری،علمی اور عقلی اعتبار سے قیامت تک کے لئے مخالفت کرنے والے گروہ کا راہبر وراہنما یقیناً کبھی قابل احترام نہیں ہوسکتا۔مگران تمام تر حقائق کے باوجود یہ بھی حقیقتاً معیار عدل، ہماری روائتی وسیع القلبی اور حقیقت پسندی کے منافی ہوگا کہ ہم ایسی شخصیت کو اپنے موضوع کے معیاری تقاضے پورے کرنے اور اس فقیری وغریبی کو جانتے ہوئے بھی مذکورہ محرکات کی وجہ وے نظر انداز کر جائیں۔عقائد،نظریات اور قوم سے قطع نظر،بحیثیت انسان ایک شخص کی زندگی کا احاطہ کرنے میں یقیناً کوئی مزائقہ نہیں ہونا چاہیے۔جبکہ ان سے ہمارا جغرافیائی،نسلی،تمدنی اور ثقافتی تعلق بھی ہو۔اور منطقی اعتبار سے بھی ایک قوم کے قائد کو،اس قوم کے مجموعی مزاج کو سمجھنے اور تاریخ پس منظر کو جاننے کے لئے مطالعہ کرنے میں کوئی حرض نہیں ہونا چاہئے۔یہ ہماری فطری تاریخی اور روایتی اعلیٰ ظرفی کے ساتھ حق گوئی اور حقیقت پسندی کے بھی خلاف ہوگا۔اور مجھے ذاتی طور پر بھی اپنے عنوان اور موضوع "الغریب۔فلسفہءغربت کا منطقی،تاریخی اور تحقیقی جائزہ" کی ہمہ گیر سچائی ثابت کرنے کے لئے اسکی ذات،شخصت اور حالات کا احاطہ کرنے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں ہوتا۔

موہن داس گاندھی 2اکتوبر 1869ء میں کاٹھیاوار Kathiawar Agency, British India (گجرات) کے شہر''پور بندر''Porbandar کے ایک پکے ویش خاندان میں پیدا ہوا۔جو ذات کا بنیا اور آبائی پیشے کے اعتبار سے پنساری تھا۔دادا"اتم چند گاندھی" عرف "اوتا گاندھی" کاٹھیاوار کی مختلف ریاستوں میں دیوان رہ چکے تھے اور زندگی میں دو شادیوں کے مزے کئے۔جن سے دو دو بیٹے تھے۔گاندھی کا باپ" کرم چند گاندھی"عرف" کیا گاندھی" گجرات کے ایک سکول سے پانچ درجے پاس کرنے کی رسمی تعلیم کا حامل تھا۔مگر عملی زندگی کے وسیع تجربہ کے باعث باتوں کی تہہ تک پہنچنا اس کے لئے چنداں دشوار نہ تھا۔ پیشہ کے اعتبار سے وہ بھی دیوان وزیر اعظم تھا۔راجھستان، پور بندر اور ونکانیر Wankaner میں خدمات انجام دے کر بالآخر راجکوٹ سے ریٹائر ہوگئے اور یہی سے پنشن لی۔انہوں نے چار شادیاں کیں۔پہلی دونوں بیویوں سے دو دو لڑکیاں تھیں اور چوتھی بیوی سے ایک لڑکی اور تین لڑکے تھے۔جن میں سے سب سے چھوٹا "موہن داس گاندھی" تھا۔اس سے ہمارا یہ قیاس کرنا بھی شاید غلط نہ ہو کہ کرم چند جسمانی لذتوں کا دلدادہ تھا۔جبکہ آخری شادی بھی اس نے چالیس سال کی عمر میں کی ہو۔کرم چند اپنے آخری ایام میں ناسور میں مبتلا ہو کر صاحب فراش ہو گیا اور کھرے تخت پر بیٹھا رہتا تھا۔اس حال میں موہن داس کی ماں پٹلی بائی Putlibai Gandhi اور ایک پرانا خادم اس کی خدمت کرتے رہتے تھے۔انہی دنوں ایک بار موہن نے اپنے بڑے بھائی کے سونے کے بند سے ایک ٹکڑا چرا کر اسی کے ذمہ پچیس روپے کا قرض چکا دیا۔جس کا اعتراف اور معافی کی خواہش لکھ کر اس نے اپنے باپ کے سامنے رکھ دی۔وہ سمجھتا تھا کہ وہ سر پیٹ کر،سخت نالاں ہونگے۔اور ڈانٹیں مگران نے دیکھا کہ شدید اضطرار کی کیفیت طاری ہوجانے کے باوجود وہ بظاہر پرسکون تھے۔آنسوؤں کے موتی ٹپ ٹپ انکے رخسار اور کاغذ پر گرے۔کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے رقعہ پھاڑ کر پھینک دیا۔موہن اپنے باپ کی اس جذباتی کیفیت کی حدت کو تاحیات نہ بھلا سکا۔عرسہ بعد تک وہ کہتا رہا کہ "اگر میں نقاش ہوتا تو اس پورے منظر کی تصویر کھینچ لیتا"۔وہ اس واقعہ کو نصیحت وراہنمائی کی معراج اور دل ونظر کا اہنسا تصور کرتا تھا۔اس کا باپ اپنی بیماری کی سخت تکلیف کے باوجود اپنے ''ویشو دھرم'' کے ظاہری صفائی کے سخت قاعدوں کی بھرپور پابندی کرتا تھا۔کچھ عرصہ بعد موہن کی شادی ہوگئی۔اور وہ ایک دن اپنے باپ کے پاؤں دبا رہا

تھا۔مگر اسکا دل اپنی نئی نویلی دلہن ہی میں اٹکا ہوا تھا۔وہ باپ کے درد ونزع کے باوجود جان خلاصی ہونے اور بیوی کے پاس جانے کے لیے بے قرار تھا۔ تقریباً دس بجے اس کے باپ نے اسے سونے کی اجازت دی تو سیدھا جا کر اس نے اپنی سوئی بیوی کو جگا دیا۔کچھ ہی دیر گزری تھی کہ نوکر نے دروازہ کھٹکھٹا کر باپ کی طبعیت کے سخت خراب ہونے کی اطلاع دی۔جس کے مفہوم کو سمجھنا گاندھی کے لیے بڑا المناک تھا۔اس کا باپ ہمیشہ کے لیے اس سے بہت دور جا چکا تھا۔وہ اپنے باپ کی محبت کا بڑا دعویدار تھا۔خود کو شرون کمار اور ہریش چندر جیسے تخیلاتی فرمانبردار کردار تصور کرتا تھا۔مگر حقیقت میں وہ محض اپنے وجود کی نفسیانیت کی ہلکی سی آنچ بھی نہ سہہ سکا تھا۔ایک ہی ٹکر میں سب دعوے بکھر چکے تھے۔جس کا گاندھی جیسے زہین اور حساس مزاج شخص کو بقیہ پوری زندگی افسوس ہوتا رہا۔موہن کی ماں ایک پرہیز گار اور روایتی ہندو خاتون تھی۔جو اپنے مذہبی فرائض اور روزانہ کے وظائف سے کبھی غافل نہ ہوتی تھی۔ سخت سے سخت ریاضتیں اور منتیں انتہائی ثابت قدمی سے پورا کرتی۔حویلی (یعنی وشومندر جانا) چرماس (برسات کے پورے چار مہینوں کے مسلسل آدھے روزے رکھنا) چترماس اور چندریانا (یعنی چاند کے بڑھنے گھٹنے کے ساتھ اپنی خوراک گھٹانا بڑھانا) کو بڑے اہتمام سے بجالاتی تھی۔

سات سال کی عمر میں موہن کو ابتدائی تعلیم کے مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا۔وہ سکول میں کوئی قابل ذکر یا غیر معمولی طالب علم نہ تھا۔بلکہ عمومی درجے کی ذہانت والا معمولی سا لڑکا تھا۔بلکہ اپنے آپ کو وہ خود ہی کچھ یوں بیان کرتا ہے کہ۔"مجھے اس زمانے کے متعلق اس سے زیادہ کچھ یاد نہیں کہ میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ اپنے استاد کو برا بھلا کہتا تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرا ذہن کند اور عاقلہ کمزور تھا" (تلاش حق، پیدائش ونصب)۔بارہ سال کی عمر میں اسے مضافات کے ہائی سکول میں داخل کرایا گیا۔اس عمر میں وہ ایک شرمیلا، ہونہار اور بھینچے سے مزاج کا حامل لڑکا تھا۔جس کا کتابوں کے علاوہ کوئی رفیق نہ تھا۔اس زمانے میں وہ واقعی بھاگتا ہوا سکول جاتا اور گھنٹا بجتے ہی بھاگ کر گھر لوٹ آتا۔جس کے دوسرے محرکات کے ساتھ سچ مچ لوگوں کے تمسخرہ اڑانے کا خوف بھی تھا۔وہ اپنے والدین کے ساتھ اساتذہ کے سامنے بھی کبھی نظر اٹھانے کی جرات نہ کرتا تھا۔حالانکہ بعد میں جبکہ کئی ایک اساتذہ کی اخلاقی کنجیوں اور کردار کی خامیوں کا اسے یقینی علم بھی ہو گیا مگر پھر بھی وہ اپنے آپ میں ان کی عزت واحترام سے کوتاہی کرنے کی ہمت نہ پاتا تھا۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑوں کے جذبہ احترام سے سرشار تھا۔جو یقیناً ایک قابل قدر انسانی وصف ہے۔جب پہلے یا دوسرے درجے میں موہن کو پہلی دفعہ سزا ملی تو وہ کافی عرصہ تک مغموم رہا۔اسے سزا کا اتنا درد نہ تھا جتنا سزا کے قابل تصور کیے جانے کا افسوس تھا اسی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔دوسرا درجہ پاس کرنے پر اسے انعام دیا گیا۔پانچویں درجے میں اسے چار روپے اور چھٹے درجے میں دس روپے کے وظائف ملے۔ساتویں درجے تک سکول کے ہیڈ ماسٹر دار اب جی ایڈمرل جیمی نے ہر طالب علم کے لیے کرکٹ اور جمناسٹک لازمی کر دی۔جو موہن کے لیے تباہ کن فیصلہ تھا۔کیونکہ جسمانی کھیلوں سے اس کی جان جاتی تھی۔سخت ورزش سے اس کی طبعیت متلانے لگتی تھی۔مگر ہمت کر کے اس نے وہ دور بھی گزار ہی لیا۔موہن کی لکھائی بھی بہت گندی تھی۔جس کی بہتری کے لیے اس نے قابل ذکر کوشش بھی نہ کی تھی۔اس کی نظر میں اچھی لکھائی حصول علم کا حصہ نہ تھی۔جس کا بعد میں اسے ملال بھی تھا۔ اس کی طالبعلمی کے زمانے کا ایک اور واقعہ فارسی یا سنسکرٹ زبان میں سے کسی ایک کے انتخاب کے حوالے سے ہے۔فارسی کا استاد نرم مزاج اور اس کے دوستوں کی نظر میں بہتر تھا۔جبکہ سنسکرت کا استاد سخت مزاج ہونے کے ساتھ یہ زبان بھی ثقیل اور پیچیدہ تھی۔موہن کے فارسی منتخب کرنے پر اس کے استاد کرشن شنکر پانڈیا نے اسے بھلا کر کہا کہ تم یہ بھول گئے کہ تم ویشنو باپ کے بیٹے ہو۔اپنے مذہب کی زبان نہیں پڑھو گے؟ اگر تمہیں کوئی بات مشکل نظر آتی ہے تو میرے پاس آ کر کیوں نہیں پوچھتے۔میں تم سب طالب علموں کو سنسکرت پڑھانے میں اپنی مقدور بھر کوشش کروں گا (تلاش حق ہائی سکول کی تعلیم

36)۔اپنے استاد کی اس راہنمائی اور سرزنش پر وہ عرصہ تک اس کا ممنون رہا۔جس کے طفیل وہ ہندو دھرم کی مقدس کتب پڑھنے کے قابل ہوا۔وہ سمجھتا تھا کہ یہ زبان ہر ہندو کو آنی چاہیے جس سے دوسرے فوائد کے ساتھ اس سے ماخوذ ہندی، گجراتی سرپٹی اور ہنگالی زبانوں کی بھی سوجھ بوجھ حاصل ہو جاتی ہے۔جس طرح عربی ایک مذہبی درجہ رکھنے کے باعث عربوں کی ترقی کے ساتھ بام عروج تک پہنچ گئی اور اسی کے زیر اثر فارسی، اردو اور دیگر زبانیں بھی اپنے مروجہ صرف ونحو کے ساتھ بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتی گئیں۔

مزید براں، یہاں موہن کے حالات زندگی کے حوالے سے اس کی بچپن میں شادی ہونا بھی ایک دلچسپ امر ہے۔وہ محض تیرہ سال کا ناپختہ اور سکول کے دوسرے درجے کا طالبعلم تھا۔کہ اسے شادی جیسے سخت بندھن میں جکڑ دیا گیا۔جس سے نہ صرف سکول کا ایک سال ضائع ہو گیا۔(جو بعد میں دو درجے ایک ہی سال میں پاس کرنے سے پورے کئے گئے) بلکہ بعد کے ادوار میں اسے اس کے اظہار سے شرمندگی بھی محسوس ہوتی تھی۔موہن کی ابتدائی عمر کی شادی سے ہم یہ قیاس کرتے ہیں وہ ایک غریب اور ہندوستان کے معاشی اعتبار سے کم تر درجے کے لوگوں میں شمار ہونیوالے لوگوں سے تعلق رکھتا تھا۔جو جدید دور کے علمی شعور سے کافی حد تک بے بہرہ تھے۔مگر ہم یہاں اسکی زندگی اسی پہلو کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں کہ موہن اپنے معاشرے کا ایک غریب فرد ہو کر اپنی قوم کا ہر دلعزیز راہنما بن گیا۔جو بذات خود ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔اور اس کی وقعت وعزت میں اضافہ کرتا ہے۔کیونکہ اس نے اپنی کم مائیگی اور معاشی کمزوری کے باوجود اپنی قوم میں ایسا مقام حاصل کیا جس کا ہندوستان کے ہزاروں وڈیرے،نوابزادے، خان بہادر اور شاہی خانزادے محض خواب ہی دیکھتے ہیں۔موہن داس کی قبل ازیں دوبار منگنی ہوئی جوان کی اموات کے باعث ختم ہو گئیں۔سات سال کی عمر میں اس کی منگنی اس کی شادی پر منتج ہوئی۔اس کی اور اس کے تین سال بڑے بھائی اور تیسرے رشتے کے ایک بھائی کی اکٹھے شادی طے پائی۔جس میں ان تینوں کی مرضی و بہتری تو مدنظر نہ تھی۔مگر ہندو معاشرے کی المناک شادی کی رسموں سے گلوخلاصی اور کفائت شعاری ضرور مقصور تھی۔اپنے معاشرے کے اس المیہ کا موہن کچھ اس طرح سے اظہار کرتا ہے کہ "ہندوؤں کے یہاں شادی کوئی کھیل نہیں۔اکثر دلہا دلہن کے والدین اس میں تباہ ہو جاتے ہیں۔وہ اپنا دھن اور دولت برباد کرتے ہیں۔اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔مہینوں شادی ہوا کرتی ہے۔کپڑے اور زیور بنائے جاتے ہیں۔دعوتوں کے خرچ کا حساب لگایا جاتا ہے۔ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ اقسام اور مقدار میں کھانے پکوائے۔عورتیں چاہے ان کی آواز اچھی ہو یا نہ ہو، اتنا گاتی ہیں کہ ان کا گلہ بیٹھ جاتا ہے۔اور ہمسایوں کی جان عذاب میں پڑھ جاتی ہے۔لیکن یہ لوگ چپ چاپ سارا شور وغل برداشت کرتے ہیں۔ان کے گھروں میں دعوت کا بچا کھچا کھانا پھینکا جاتا ہے۔اور وہ دم نہیں مارتے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ایک دن خود انہیں بھی یہی حرکتیں کرنی ہیں"(تلاش حق، بچپن کی شادی 26)۔اس عمر میں موہن کو صرف نئے کپڑے پہننے اور لذیذ کھانے میسر آنے کی خوشی تھی۔شہزادے کی طرح سجنے اور ڈھولک بجنے کی خوشی تھی۔وہ اس کے تقاضوں اور ذمہ داریوں سے قطعی ناواقف تھا۔اس کے باپ ان دنوں پور بندر میں دیوان تھا۔جو اپنے صاحب ٹھاکر کے منظور نظر ہونے کی وجہ سے آخری دنوں تک رکا رہا۔اور جاتے ہوئے ٹھاکر صاحب نے راجکوٹ کی ایک سو بیس میل کی پانچ دن کی مسافت تین دن میں طے کرنے کا انتظام کر دیا۔مگر بدقسمتی سے یہ گاڑی تیسری منزل تک پہنچ کر الٹ گئی۔جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔جب گھر پہنچا تو پٹیوں میں لپٹا اور زخموں سے چور تھا۔مگر ہمت اور برداشت سے شادی میں پوری طرح حصہ لیا۔موہن کو ہلدی ملا پانی میں نہلایا اور چوکی بٹھایا گیا۔دولہن کے ساتھ ساتھ قدم چل کر باہم محبت و وفاداری کا پیمان کیا۔اسپتبد کی رسم ادا کی گئی۔دونوں نے مل کر گیہوں کا پکا میٹھا کھایا اور شادی انجام تک پہنچی۔اس کی بیوی" کستورا بائی "ان پڑھ، سادہ اور خوددار لڑکی تھی۔خود دار اس لیے کہ اسے

اپنے ان پڑھ اور جہالت کا غم نہ تھا۔ اور نہ ہی کبھی اس نے اپنے سرتاج کی دیکھا دیکھی پڑھنا لکھنا سیکھنے کا خیال ذہن میں لایا تھا۔ ان کے خاندان کے بڑوں نے جہاں ان کی بچپن کی شادی کا اہتمام کیا، وہاں ان کی صحت و بہتری کا بھی خیال رکھا تھا۔ کستورا بائی مسلسل چھ ماہ سے زیادہ سسرال نہ رہتی تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر جب موہن انگلستان چلا گیا تو ان کے درمیان ایک لمبے عرصہ کی جدائی آ گئی۔ جس کے بعد ان کے جذبات میں ٹھہراؤ آ چکا تھا۔ موہن اپنی ازدواجی زندگی ہی کے حوالے سے بعد کے چند ایک واقعات کے پس منظر میں کستورا بائی کے صبر و برداشت سے بہت متاثر ہوا۔ وہ ہندوستان میں عورت کی عمومی بے بسی کے ساتھ فطری مصلحت پسندی اور مجموعی سماجی کمزوری کو یوں بیان کرتا ہے کہ "اگر نوکر پر بے جا شک ہو تو وہ نوکری چھوڑ سکتا ہے۔ بیٹے پر ہو تو وہ باپ کا گھر چھوڑ سکتا ہے۔ بیوی کو شوہر پر شبہ ہو تو وہ خاموش رہتی ہے۔ لیکن جہاں شوہر کو اس پر شبہ ہو تو اس بے چاری کی موت ہی آ جاتی ہے۔ وہ جائے تو کہاں جائے ہندو بیوی کو یہ حق بھی نہیں کہ عدالت میں طلاق کی درخواست دے۔ اس غریب کے لیے قانون نے کوئی تدبیر نہیں بتائی۔ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا اور عمر بھر پچھتاتا رہوں گا کہ میں نے اپنی بیوی کو اس مصیبت میں ڈالا جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں" (تلاش حق)۔ موہن داس کے کستورا بائی سے چار بچے ہری لال Harilal، منی لال Manilal، رام داس Ramdas اور دیو داس Devdas تھے۔

موہن داس تکمیل تعلیم کے بعد موہن داس گاندھی کے نام سے معروف ہوا۔ جس کے مزاج میں کھلنڈرا پن اور شوخی نہ تھی۔ بلکہ سنجیدگی اور بردباری تھی۔ اس کی طبعیت میں سادگی اور درویشی تھی۔ اس وجہ سے اس کی شخصیت کے زیر اثر ہندوستان میں جتنی بھی تحاریک برپا ہوئیں۔ تقریباً ساری عدم تشدد پر مبنی تھیں۔ اسکے ہندو مت پر جین مت کے بھی اثرات Hinduism, with Jain influences تھے۔ وہ ذاتی طور پر قتل و غارت کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ بھوت پریت کا سخت قائل، ڈرپوک اور وہمی سی شخصیت کا حامل تھا۔ اپنے آپ کو وہ خود ہی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ "پھر میں بزدل بھی تھا۔ مجھے ہر وقت چوروں، بھوتوں اور سانپوں کا کھٹکا رہتا تھا۔ رات کو گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اندھیرے سے میری روح فنا ہوتی تھی۔ میرے لیے اندھیرے میں سونا تقریباً ناممکن تھا۔ کیوں کہ مجھے وہم ہوتا تھا کہ ایک طرف سے بھوت چلے آ رہے ہیں۔ دوسری طرف سے چور، تیسری طرف سے سانپ۔ بغیر روشنی کے مجھ سے سویا نہیں جاتا تھا۔ میں اپنے خوف کو اپنی کمسن بیوی پر، جو میرے پہلو میں سوتی تھی، ظاہر نہیں کرتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس میں مجھ سے زیادہ ہمت ہے۔ مجھے اپنے اوپر شرم آتی تھی۔ اسے سانپوں اور بھوتوں کا کوئی ڈر نہ تھا۔ وہ اندھیرے میں ہر جگہ چلی جاتی تھی"۔ گاندھی نے اپنی تحریر کردہ آپ بیتی میں نسبتاً سچی اور کھری باتیں لکھی ہیں۔ اور اس کا یہ اسلوب نگارش اسے کئی لکھاریوں سے جدا اور ممتاز کرتا ہے۔ اس کی خوبی بھی قابل ستائش ہونی چاہیے۔ گاندھی دوسرے ہندوؤں کی طرح گوشت نہ کھاتا تھا۔ شراب سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ مگر زندگی کے صرف ایک سال کے دوران اپنے ایک دوست کی معرفت اس نے چھ بار گوشت کھایا۔ شادی کے بعد تقریباً سولہ سال کی عمر میں جب اس نے پہلی دفعہ گوشت دیکھا تو اسے بڑی کراہت محسوس ہوئی۔ اس کا جی متلانے لگا۔ پہلی بار وہ گوشت نہ کھا سکا۔ مگر باقی دفعہ وہ خدا کی اس نعمت سے دست کش نہ رہ سکا۔ اپنے اسی دوست کی معرفت ایک بار اس نے اپنی بیوی سے خیانت کا بھی ارادہ کیا۔ رقم چکا دی گئی۔ متعلقہ عورت کے گھر کے مخصوص کمرے میں جا کر وہ پلنگ پر گم سم بیٹھ گیا۔ کافی دیر ایسی ہی کیفیت رہی تو عورت نے گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا۔ جس سے وہ اگرچہ ایک بہت بڑے گناہ سے تو بچ گیا مگر اپنی مردانگی کو ٹھیس پہنچنے کا اسے ضرور ملال ہوا۔ گاندھی پکے ویشنو گھرانے سے تعلق رکھنے کے باعث ابتدائی عمر ہی سے والدین اور خاندان کے دیگر لوگوں کے ساتھ مندر جا کر پوجا کرتا تھا۔ اسے ان مناجات میں گہری دلی وابستگی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ جس کی دوسری وجوہات کے ساتھ ایک بدکاری کی افواہیں بھی تھیں۔ مگر ہندو ہونے کے

ناطے اس کے لاشعور میں اس کا تقدس ضرور جاگزیں تھا۔ اسے اپنے مذہبی علوم پر عبور نہ تھا۔ مگر یہ مذہبی تعلیم اور فکری تربیت بتدریج خود بخود ہی ہوتی چلی گئی۔ بچپن میں اس کی کھلائی کہ پرانی خادمہ ''رمبھا'' نے اسے جن بھوتوں کے خوف رفع کرنے کے لیے رام چندر جی کے مختلف ناموں کا وظیفہ سکھایا۔ انہیں دنوں پور بندر ہی کے رشتے کے ایک بھائی نے ان کے لیے ''رام رکشا'' سیکھنے کا انتظام کیا۔ وہ روز صبح ''شنان'' کے بعد رامائن کا ورد کرتے جس سے کئی ایک حصے زبانی ازبر ہوگئے۔ ایک بار اپنے باپ کے کتب خانے سے اس نے ایک کتاب منوسمرتی (یعنی ہندوؤں کے قانون، جسے کچھ مذہبی حثیت بھی حاصل ہے) کا مطالعی کیا۔ جس سے ہندو دھرم کے کئی ایک اصولی وقانونی پہلو نمایاں ہونے کیساتھ اسے عقلی ومنطقی الجھنیں بھی محسوس ہوئیں۔ جنکی تسلی نہ ہونے کے باعث اس نے اسے فراموش کر دینے ہی کو زیادہ مناسب جانا۔ گاندھی کی مذہبی فکر کے اجاگر ہونے میں اس کے باپ کی علالت کے دنوں پور بندر میں پڑھی جانے والی تلسی داس کی رامائن کا بھی کچھ دخل ہے۔ جسے ''بلیشور'' کا بدھ مہاراج اور شام کو پڑھتا تھا۔ وہ رام چندر جی کا عقیدت مند ہونے کے ساتھ خوش الحان بھی تھا۔ ایسے ولولہ اور شوق سے پڑھتا کہ سننے والا بے خود ہو کر وجد کی کیفیت میں چلا جاتا تھا۔ اسی طرح کی محفل بعد میں ہر اکاوشی (چاند مہینے کی گیارھویں تاریخ) کو راجکوٹ میں سمجھتی تھی۔ مگر اس میں اور بعد کی اکثر مجلسوں میں اسے بدھ مہاراج جیسی تاثیر اور جوش نہ ملا۔ سوائے پنڈت مدن موہن مالوی کے جس سے اصل سنسکرت زبان میں بھگوت گیتا سننے پر وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اس کے دلوں کے تاروں کو چھیڑ کر نقش ہو گئی۔ مگر اس طرح کی جذباتی اور وقتی محفلوں سے کوئی گہری فلسفیانہ بصیرت نہیں ملتی۔ اور نہ ہی مذہب کو اس کے ہمہ گیر مفہوم کے ساتھ شعوری اور عقلی طور پر سمجھنے میں کچھ مدد ملتی ہے۔ اس لیے ہم گاندھی کو ہندوؤں کا قومی راہنما اور سیاسی قائد تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر اسے ان کا کوئی مزہبی اوتار یا اعتقادی الہامی مقدس شخصیت نہیں کہہ سکتے۔ بالکل اسی طرح جیسے عموماً قائداعظم کو حضرت، مولانا یا علامہ نہیں کہا جاتا۔ اس سے ممکن ہے کہ کچھ ہندوؤں کی نظر میں گاندھی کے مرتبہ ومقام میں فرق آتا ہو مگر اس کی شخصیت کا یہ پہلو دوسری اقوام میں اسکے مقبول ہونے کی اہم وجہ بن گیا۔

گاندھی نے 1887ء میں سترہ (17) سال کی عمر میں الفریڈ ہائی سکول راجکوٹ Alfred High School, Rajkot, میٹرک پاس کر کے سامل داس کالج، بیونگر Samaldas College, Bhavnagar، صوبہ گجرات میں داخلہ لے لیا۔ اسی دوران اسکے بڑے بھائی کے ایک دوست نے مشورہ دیا کہ اسکے کاندان کا کوئی نہ کوئی فرد ہر دور میں کسی نہ کسی سرکاری عہدہ پر فائیز رہا ہے۔ جو انہی قابلیت کیساتھ علم وتجربہ میں بھی عام لوگوں سے برتر ہوتے تھے۔ اب کیونکہ زمانہ بدل رہا ہے۔ سرکار جدید تعلیم یافتہ افراد پر نظر کرم کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ اسلئے بہتر خاندانی مستقبل کیلئے موہن کو جدید تعلیم سے آراستہ کر کے آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ موہن برطانیہ جا کر بیرسٹری کی تعلیم حاصل کریگا۔ اسی سال بڑا بھائی گاندھی کو لیکر بمبئی جا پہنچا۔ جون جولائی میں بحر ہند کے تلاطم کے باعث اکثر بحری سفر غیر مخفوظ تصور کیے جاتے تھے۔ اسلئے نومبر تک انتظار کرنا پڑا۔ بڑے بھائی نے برادری کے ایک شخص کو اخراجات کی رقم بطور امانت دیکر گاندھی کو نومبر تک اسکے سپرد کیا اور واپسی کی راہ لی۔ اس دوران بمبئی میں برادری نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ کہ ہندوستان کے باہر بدیسیوں میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر موہن ان تمام تر مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا بالآخر چار (4) دسمبر کو انگلینڈ کیلئے روانہ ہوگیا۔ جہاں پہنچ کر اسکے مجرد ہندوانہ عقائد اور مخصوص رسم ورواج اسکے زندگی حائل ہونے لگے۔ انتہاء پسندی وتنگ نظری میں پرورش پانے والا موہن بتدریج آزاد خیال اور وسیع النظر ہونے لگا۔ انگریزی وضع قطع اختیار کی۔ نیا لباس سلوایا۔ وائیلن بجانا سیکھا اور رقص وسرور کی محفلوں میں جانا شروع کر دیا۔ (گاندھی جی: اسرار احمد آزاد۔ 10-45، نیا کتاب گھر۔ اردو بزار۔ جامع مسجد دہلی)۔ مگر پھر بھی موہن اپنی بنیادی تعلیمات اور احکام سے قابلِ ذکر اختراف نہیں کیا تھا۔ شراب نوشی گوشت خوری اور عزت وغیرت کی بے حرمتی کا کبھی ارتکاب نہیں کیا۔ جس میں ممکن ہے اسکی ذاتی فکری پختگی،

راویتی ہندوانہ تربیت یا والدین سے تمام تر اخلاقی الائشوں سے دور رہنے کے وعدہ کا پاس ہو۔مگر میری ناقص دانست کیمطابق ان اخلاقی برائیوں سے معاشرے کے آسودہ لوگوں کیلئے بچنا مشکل ہوتا ہے۔کیونکہ دولت اپنے ساتھ کئی طرح کی خرافات کے ساتھ اخلاقی کجیاں بھی لاتی ہے۔دولت کی حدت اور چمک سے بہت کم لوگ اپنے مزاج اور کردار کی جمع پونجی محفوظ رکھ پاتے ہیں۔گاندھی کے بچے رہنے میں بھی یقیناً اسکے ہندوستان کے متوسط اور روایتی طبقہ سے ہونے کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔

اپنے زمانہ طالبعلمی میں موہن کا لندن میں ایک بوڑھی عورت کے ہاں آنا جانا ہوگیا۔جسکی وسالت سے اسکی ایک نوجوان انگریز عورت تک رسائی ہوگئی۔ جسکے اندازِ ضیافت اور دیگر محرکات سے اسے محسوس ہوا کہ یہ لوگ اسے غیر شادی شدہ سمجھتے ہوئے مانوس انداز میں کچھ کہنے کے خواہشمند ہیں۔مگر یہاں بھی گاندھی کی بے لاگ حق گوئی آڑے آ گئی۔اس نے اپنی تمام تر ذاتی واز دواجی صورتحال تحریری شکل میں اُنکے سامنے پیش کردی۔جس سے انہیں مایوسی تو ہوئی مگر کافی عرصہ تک اسکی کم سنی کی شادی کا مذاق بھی اڑاتی رہیں۔ اسی طرح ایک اور واقع اسے پورٹ سمتھ Portsmouth میں پیش آیا۔ جہاں وہ ایک بار اپنے سبزی خور کلب کے دوستوں کیساتھ برج کھیل رہا تھا۔کھیلنے کے ساتھ وہ مقابل انگریز عورت سے فحش مذاق بھی کرتا جارہا تھا۔برج سے تاش شروع ہوگئی۔اوران کا مذاق باہم جبلی انسانی جذبات سے سرشار ہوکر دست درازی تک پہنچ گیا۔اسکے ایک دوست نے جونہی اسکی ان حرکتوں پر سرزنش کی تو گاندھی پانی پانی ہوگیا۔اسکے لئے ایک پل بھی اس محفل میں ٹھہرنا دوبھر ہوگیا۔چند لمحوں میں وہ شرمندگی وپشیمانی کے شدید احساسات کیساتھ پورٹ سمتھ ہی سے روانہ ہو چکا تھا۔انگلینڈ کے تین (3) سالہ قیام کے بعد دس (10) جون 1891 کو موہن داس کو بار ایٹ لاء کی ڈگری عطا ہوئی۔

گیارہ (11) جون کو اسکی ہائی کورٹ کے وکلا' کی فہرست میں اندراج ہوا۔بارہ (12) جون کو وہ بمبئے کیلئے روانہ ہوگیا۔جہاں راجکوٹ ہی میں وکالت شروع کردی۔موہن داس نے ہندوستان میں جب اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا تو خود کو غیر مانوس (Misfit) محسوس کرنے لگا۔کیس لینے کیلئے دلالوں (Middle Men) کو کمیشن دینا۔جھوٹ بولنا بلکہ جھوٹ کو بھی سچ ثابت کرنا اسکے مزاج کے خلاف تھا۔اس میدان میں ناتجربہ کار ہونے کیساتھ وہ نسبتاً ہندوستان کے قانون سے بھی نابلد تھا۔کیونکہ اسے تو برطانوی قانون پر عبور تھا۔انہیں دنوں جب وہ ایک عورت کے مقدمہ کے لئے مدعی کے گواہوں پر جرح کیلئے عدالت پہنچا تو عدالتی ماحول کی تاب نہ لاسکا۔پسینے سے شرابور ہونے کیساتھ اسکی ٹانگیں بھی لڑکھرانے لگیں۔وہ اپنی زبان سے ایک لفظ تک نہ بول سکا۔خاموشی سے اٹھ کر اس نے عورت کو پیسے واپس کئے اور گھر کی راہ لی۔یہ ہندوستان کے چوٹی کے راہنما کی پیشہ وارانہ زندگی کے ابتدائی دنوں کی صورتحال تھی۔مگر یہ صورتحال ہمیشہ برقرار رہنے والی نہ تھی۔کچھ ہی عرصہ بعد اسکے ستاروں کی گردش میں برپا ہونے والے ارتعاش نے موہن داس کو مہاتما گاندھی بنادیا۔اب نام کی تبدیلی کے ساتھ اسکی قسمت کی لکیروں اور زندگی کے شب وروز میں بھی میں نمایاں تغیّر برپا ہو چکا تھا۔اور گاندھی ہندوستانی سیاست کا مرکز وکور بن گیا۔ 1893ء کے وسط میں وہ ایک مقدمہ کے سلسلے میں نیٹال جنوبی افریقہ Natal, South Africa چلا گیا۔یہاں عبداللہ اینڈ کمپنی کے قانونی مشیر کے توسط سے وہ اس کے مالک سیٹھ عبداللہ کے پاس چلا گیااور وہی قیام کیا۔اس نے نٹال Natal کی عدالت میں اپنا اندراج کرا کے باقاعدہ مقدمہ کا آغاز کردیا۔گاندھی جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے حالات سے قطعاً غیر مطمعین تھا۔ان سے روا رکھے جانے والے مظالم اور عمومی حالت زار دیکھتے ہوئے اس نے انکے حقوق کی بحالی اور تحفظ کا عزم کرلیا۔اور باقاعدہ تحریک کا آغاز کردیا۔ جہاں سے اسکے درخشان سیاسی مستقبل کا آغاز ہوا۔جلسے،جلوسوں،احتجاجی مظاہروں اور پرامن جدوجہد سے بالآخر گاندھی ہندوستان کے لوگوں کے حقوق کی بحالی میں کامیاب ہوگیا۔وہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن اور آنکھوں کا تارہ بن گیا۔جس سے پیشہ ورانہ خدمات انجام دینے کے ساتھ،گاندہی کو اپنا روشن اور تابناک سیاسی مستقبل بنانے کا موقع بھی مل گیا۔رفتہ رفتہ ہندوؤں کی عظمت رفتہ کا نگہبان اور محبوب قومی قائد بنتا چلا گیا۔اور ہندوستانی سیاست کا چمکتا آفتاب بن کر ابھرا۔

ان دنوں ہندوستان کے ہر طبقہ اور مکتبہ فکر کے لوگ اسکے پاس آتے تھے۔ جس سے وہ بلا تفریق بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتا۔ گجراتی ہندو، تامل عیسائی اور مسلمان یکساں اُنکے ہاں مہمان ہوتے۔ گاندھی کے ہاں نوکر وغیرہ نہ تھے۔ اسلئے مہمانوں کی تواضع اور صفائی کا خود ہی اہتمام کرتا تھا۔ 1898ء کا واقعہ ہے کہ ڈربن میں ایک دفعہ ہندو سے عیسائی ہونے والا (پنچم) شخص انکے ہاں مہمان ہوا۔ جسکے حوالے سے گاندھی رقمطراز ہے کہ ''دوسروں کے پاٹ صاف کرنے میں میری بیوی نے کبھی عذر نہیں کیا۔ لیکن جو شخص نیچ ذات کے ہندو سے عیسائی ہوا تھا۔ انہیں اس کا پاٹ اٹھانا کسی طرح گوارانہ تھا"۔ (گاندھی جی۔ 144)۔ اور اسے یہ بھی گوارانہ تھا کہ گاندھی یہ کام کرے۔ معاملہ بڑھا تو بیوی نے غصہ سے آگ بگولا ہو کر لعن طعن کرتے ہوئے پاٹ اٹھا کر صاف کر دیا۔ مگر گاندھی نے کستوار بائی کی طبیعت بھی صاف کرنے کا ارداہ کر لیا۔ ہاتھ پکڑ کر جب اس نے پھاٹک کھول کر گھر سے نکال دینے لگا تو وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوئی۔ معاملہ رفع دفعہ ہو گیا۔ گاندھی جی کے مطابق ''صرف اس کا پاٹ اٹھا لینا میرے اطمینان کیلئے کافی نہ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ یہ خدمت خندہ پیشانی سے انجام دے'' (تلاشِ حق۔ 370)۔ اس سے ہم گاندھی کے اخوت ومساوات کے دلی قائل ہونے کا بھی قیاس کرتے ہیں۔ جو اسکے ایک قابلِ قدر انسان ہونے کی دلالت کرتا ہے۔

گاندھی کی زندگی کا اسی قسم کا ایک اور واقع انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس میں ملتا ہے۔ جو 1901ء میں کلکتہ میں پیش آیا۔ جو مسٹر ڈنشاؤ .Mr Dinshaw کے زیرِ صدرات اجلاس ہوا۔ یہاں چھوت چھات کیساتھ نچلی ذات کے لوگوں کو رسوا کرنے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی گئی تھی۔ تامل عیسائیوں کے خیموں کیساتھی لیٹرینیں (Washroous) بنائی گئیں تھیں۔ جو انکے کھانے پکانے کی آگ سے اٹھنے والے دھویں سے بھری رہتی تھیں۔ یہ روّیہ ایک پورے علاقے کے لوگوں کے نمائندگان سے روا رکھا گیا تھا۔ جبکہ وہاں عام لوگوں کے حالاتِ زندگی کا تصوّر رکنا کربناک محسوس ہوتا تھا۔ رضا کار اس کانفرس کے دوران گندگیوں کی صفائی سے کتراتے تھے۔ ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالتے ہوئے معاملہ گول کر جاتے۔ گاندھی نے اپنے ہاتھوں سے لیٹرینیں صاف کیں۔ جس سے رضا کاروں کو قدرے شرمساری محسوس ہوئی۔

1906ء میں گاندھی نے جنوبی افریقہ سے ہندوستان واپسی کا ارادہ کر لیا۔ لوگ یہ خبر سن کر بے چین ہو گئے۔ وہ اپنے محبوب ساتھی کی جدائی کا حوصلہ نہ پاتے تھے۔ مگر گاندھی کا فیصلہ اٹل تھا۔ وہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد مزید ٹھہرے رہنا بے سود اور ہندوستان میں اپنی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ لوگوں نے محبتوں اور عقیدتوں کے ایسے لازوال جذبات نچھاور کیے، جو یقیناً گاندھی اور اسکی مختصر سی گھریلو دنیا کیلئے قیمتی اثاثہ تھے۔ آسودہ لوگوں نے قیمتی تحائف پیش کئے۔ جو مجموعی طور پر اچھی خاصی رقم بن گئے۔ اس رات گاندھی انتہائی کرب کیساتھ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ تحائف اور دولت نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ شاید اللہ کی ذات ایسے ہی دولت کو اپنی خودی، انا اور عزت کیلئے نہ زہر قاتل تصوّر کرنے والوں کو، انسانی زندگی کے کئی زمانوں تک، کروڑوں لوگوں کے دلوں کا بے تاج بادشاہ بننا مقدر کر دیتا ہے۔ ورنہ عمومی فہم، سطحی سوچ اور سرسری تدبر، عقل و دانش کے اس عمیق پہلو اور انسانی زندگی کے گھمبیر عقدہ کو واہ کرنے سے قطعی قاصر ہے۔ بھلا زندگی کو چار چاند لگا دینے والی دولت، حیاتِ جاودانی کو عروج وانتہاء کی بلندیوں تک لے جانے والے اسبابِ حیات، ہر آسائش کو خرید لینے اور عقل وفکر کی تمام ترگتھلیاں سلجھا دینے سرمائے کی اہمیت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے؟ اور لوگوں کے سر آنکھوں پر بٹھانے کے محرک، معیارِ زندگی کی سماجی حیثیت (Status) متعین کرنے کی مضبوط وجہ reason اور عزت ورفعت کی بنیادیں تعمیر کرنے والی دولت کے غیر موثر ہونے کا بھلا ہم ایک ہی نشست میں کیسے یقین کر سکتے ہیں۔ صرف ایک تحریر کے چھوٹے سے پہرہ کا مطالعہ کر کے یقیناً سالوں اور نسلوں سے ذہن نشین ہو جانے والے خیال وفکر کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن نے بحر حال، گاندھی نے اس رات فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی قابلِ قدر جد وجہد اور بے لوث خدمت کی قیمت نہیں لے گا۔ اس نے 1901ء سے 1906ء تک کے وصول کردہ تمام تحائف جمع کئے اور اپنی بیوی بچوں سے انہیں قومی خدمت کیلئے وقف کرنے کے ارادہ سے مطلع کیا۔ بچوں نے فوراً ہاں کر دی جبکہ بیوی حسبِ توقع بضد رہی۔ جسے منانے میں اسے کافی محنت کرنے پڑی۔ جس کا نقطہ نظر تھا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر منایا گیا ہے۔ ٹھیک ہے اگر بچے دولت نہیں چاہتے تو کل انکی دلہنوں کو تو زیورات دینے ہیں۔ اگر تحایف ضرور ہی واپس کرنے ہیں تو باقی سب کر دیں مگر لوگوں نے جو اسے ذاتی طور پر دیئے ہیں وہ ہرگز واپس نہ کریگی۔ بات بڑھ گئی۔ آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ گاندھی کے مطابق بالآخر وقف نامہ تحریر

کر دیا گیا۔ ساری دولت اکٹھی کر کے قومی خدمت اور اخلاقی سرگرمیوں کیلئے وقف کر دی گئی۔ متولی مقرر کر کے گاندھی مکمل یکسوئی اور اطمینان کیساتھ وطن لوٹ آیا۔

گاندھی کی طبیعت اب مزید سادگی فقر کی طرف مائل ہوتی چلی گئی۔ اپنا گھر کا کام تو پہلے ہی وہ خود کرتا تھا۔ اب دھوبی کی بجائے کپڑے بھی خود ہی دھونے شروع کر دیئے۔ روایتی ہندو تو وہ پہلے ہی تھا۔ اب فکری اعتبار سے بھی وہ ہندوانہ تعلیمات سے وابستہ ہو گیا۔ اپرہ گری (ترک املاک)، سمجھو (عدل) برہمچاری (تجرد یا نفس کشی) جیسے ہندوانہ قوانین کو اپناتا چلا گیا۔ خصوصاً برہمچاری اپناتے ہوئے گاندھی کو کئی برس لگ گئے۔ جسکے لیے بیوی کو بھی اسے اپنی سوچ سے ہم آہنگ کرنا پڑا۔ ابتداء میں انہوں نے رات الگ الگ پلنگ پر سونا شروع کیا۔ تنہائی میں ملنا ختم کر دیا۔ اپنی خوراک، سوچ اور سرگرمیوں میں فکری ٹھہراؤ اور توازن قائم کر لیا۔ پھر 1906ء میں اس نے مکمل برہمچاری کا قوی ارادہ کر لیا۔ جسکے بعد گاندھی کے بقول اس نے زندگی کا حقیقی راز پا لیا۔ اس میں کچھ غیر مرئی روحانی صلاحیتیں پیدا ہو گئیں۔ جو بعد کی قومی زندگی میں اسکی معاون رہیں۔ یہ تصور صرف ہندو مذہب میں ہی نہیں بلکہ عیسائیت (راہبانیت)، بدھ مت (نروان)، اور کچھ حد تک اسلام (تصوف، قلندری، طریقت، درویشی، اعتکاف وغیرہ) میں ملتا ہے۔ یقیناً دنیا کی آسائشوں سے منہ موڑ لینے اور جسمانی لذتوں اور مادی تقاضوں سے بے پراوہ ہونے کا خدا بھی ضرور انعام دیتا ہے۔ جو ہمارے روحانی دنیا کے اسرار سے آشنا ہونے کی شکل میں ہو، یا مخفی حقیقتوں کی جانکاری کی صورت میں ہو، یا پھر شعوری عروج اور فطری معراج عطاء ہونے کی کیفیت ہو۔

اگر ہم مجموعی طور پر گاندھی کی زندگی کا اختصار کیساتھ احاطہ کریں تو یہ بھی حقیقت ہے کہ اسکے سیاسی مستقبل کا آغاز جنوبی افریقہ سے شروع ہوا تھا۔ جہاں اس نے ہندوستانیوں کی حالتِ زار دیکھ کر انکے حقوق کی تحریک برپا کی تھی۔ جلسے جلسوسوں احتجاجی مظاہروں اور سیاسی دباؤ سے سرکاری طور پر وہاں مقیم ہندوستانیوں کو کچھ سرکاری مراعات دلائیں۔

1899ء میں جنوبی افریقہ میں بوئیروں سے لڑائی Second Boer War کے دوران اس نے انگریزوں کی بھرپور سیاسی و اخلاقی مدد کی تھی۔ 1906ء میں ''ذولو'' Zulu قبیلے کی بغاوت کے دوران اس نے جانباز (volunter) اکھٹے کئے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور راشن فراہم کرنے جیسی عملی خدمات انجام دیں۔ پھر 1914ء کی جنگ عظیم اول کے دوران اس نے طالبعلموں کی جماعت منظّم کی۔ انگریزوں کی بھرپور حمایت کیساتھ بڑے احسن انداز سے چند ایک دوسری خدمات انجام دیں۔ جن کا حکومتی سطح پر اعتراف بھی کیا گیا تھا۔ 1917ء کی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کی خدمت سے سرشار گاندھی نے رنگروٹ تک بھرتی کئے۔ مگر عملی خدمات انجام دینے کی نوبت ہی نہ آئی تھی کہ جنگ ختم ہو گئی۔

اسی دوران ہندوستان میں روالٹ ایکٹ ,Rowlatt Acts, (February 1919) نافذ ہو گیا۔ جو برطانوی ہندوستان کے قانون legislature of British India کے تحت برطانوی مجلس قانون ساز Imperial Legislative Council نے منظور کیا تھا۔ جسکے خلاف عوامی ردعمل برپا ہوا۔ حکومت مخالف جذبات کا کھلے عام اظہار ہونے لگا۔ تو ان فسادات کے دوران گاندھی نے ستیہ گری (یعنی خاموش پرامن مقابلہ) کا طریق کار وضع کیا۔ پھر 1919ء کا معروف جیانوالہ باغ قتلِ عام کا افسوس ناک سانحہ پیش آیا۔ جس میں جبر وستم اور قتل وغارت کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ پورے خطے میں غم وغصہ کی لہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گاندھی نے اپنے مخصوص طریق کار سے خطے میں تحریک برپا کر دی۔ 1922ء میں اسے گرفتار کر لیا گیا۔ دفعہ 124 تعزیرات ہند کے تحت مجرم قرار دیتے ہوئے عدالت نے اسے 6 سال قید کی سزا سنائی۔ 1924ء میں اسے بوجہ علالت رہا کر دیا گیا۔ 1931ء اور پھر 1932ء کی گول میز کانفرس میں اسنے شرکت کی۔ جسکی واپسی کے فوری بعد اسنے کانفرنس کے بے نتیجہ ہونے کو عندیہ دیکر سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کر دیا۔ جس پر اسے گرفتار کر کے یابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ 1933ء میں اسے رہا کر دیا گیا۔ 1943ء میں اسے کانفرس کے دوسرے راہنماؤں سمیت گرفتار کر کے ہزاروں کی تعداد میں جیل ڈال دیا۔ اس دوران اسکی باوفا بیوی کستورا بائی نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ مگر وہ صنفِ نازک ہونے کے باعث جیل کی سختیاں نہ سہہ سکی۔ 1944ء میں جیل ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ تمام واقعات اگرچہ اسکی سوانح کا حصہ ہیں اور بظاہر کوئی قابلِ ذکر کارنامہ سے کم درجہ دینا شائد خلاف عدل ہو۔ دشمن قوم کے راہنماء کی شخصیت اور سراپا بتاتے ہو ہمیں عقل ومنطق اور دلیل حجت کے انہیں

جزئیات parameters یا پیمانے کو بروئے کار لانا چاہئے، جو ہم اپنے عمومی قائدین کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ گاندھی ہندوستان کی آزادی کا راہنماء Leader of Indian independence movement, فلسفہ شانتی، امن اور بلاتشدّد دجدوجہد Satyagraha, Ahimsa or nonviolence,pacifism کا بانی ہے اور انڈین نیشنل کانگرس Indian National Congress کا ہردلعزیز راہنماء تھا۔

1948ء میں گاندھی نے ملکی نسلی فسادات کے خلاف احتجاجاً مرن بھرت رکھا۔ اندرون خانہ اسکی ان تمام عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کی پالیسوں کے خلاف ہندوؤں کے ایک مکتبہ فکر میں سخت اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ جو گاندھی کی اصول پسندی، عدل وانصاف، اور نسلی وخونی برتری ختم کرنے کی سوچ کو اپنے ہندو مذہب کی تعلیمات کے منافی سمجھتے تھے۔ صدیوں کی محکومی اور غلامی کے غصّہ اور تعصب کی وجہ سے برصغیر کے ہندوؤں میں انتہاء پسند بھی پیدا ہو چکی تھی۔ جس کا ناگزیر اظہار Counter Reaction عمرانی وسماجی نقطہ نظر سے عقل وفہم سے ماوراء نہیں۔ چنانچہ، ایسے ہی ایک جنونی ہندو نے 30 جنوری 1948 کو 78 سال کی عمر میں نیو دہلی، انڈیا New Delhi, India میں گولی مار کر دی۔ جسکی تاب نہ لاتے ہوئے مہاتما گاندھی اس دار فانی سے ہمیشہ کیلئے پردہ کر گیا۔ اسکی خاک انڈیا کے مختلف دریاؤں میں بہادی اور راجگوٹ Rajghat, Delhi میں اڑا Cremation, combustion, vaporization and/or oxidation of dead bodies to basic chemical compounds دی۔

References

Andrews, C. F. (2008) [1930]. "VII - The Teaching of Ahimsa". Mahatma Gandhi's Ideas Including Selections from His Writings. Pierides Press. ISBN 978-1-4437-3309-0.

Dalton, Dennis, ed. (1996). Mahatma Gandhi: Selected Political Writings. Hackett Publishing. ISBN 978-0-87220-330-3.

Duncan, Ronald, ed. (May 2011). Selected Writings of Mahatma Gandhi. Literary Licensing, LLC. ISBN 978-1-258-00907-6.

Gandhi, M. K.; Fischer, Louis (2002). Louis Fischer, ed. The Essential Gandhi: An Anthology of His Writings on His Life, Work and Ideas. Vintage Books. ISBN 978-1-4000-3050-7.

Gandhi, Mohandas Karamchand (1990). Desai, Mahadev H., ed. Autobiography: The Story of My Experiments With Truth. Mineola, N.Y.: Dover. ISBN 0-486-24593-4.

Gandhi, Rajmohan (9 October 2007). Mohandas: True Story of a Man, His People. Penguin Books Limited. ISBN 978-81-8475-317-2.

Guha, Ramachandra (2 October 2013). "1. Middle Cast, Middle Rank". Gandhi Before India. Penguin Books Limited. ISBN 978-93-5118-322-8.

Jack, Homer A., ed. (1994). The Gandhi Reader: A Source Book of His Life and Writings. Grove Press. ISBN 978-0-8021-3161-4.

Johnson, Richard L. & Gandhi, M. K. (2006). Gandhi's Experiments With Truth: Essential Writings by and about Mahatma Gandhi. Lexington Books. ISBN 978-0-7391-1143-7.

Todd, Anne M. (1 January 2009). Mohandas Gandhi. Infobase Publishing. ISBN 978-1-4381-0662-5.